

## قسطوں پر خرید و فروخت کا شرعی حکم

مفتی نسیم احمد، پٹنی

قسطوں پر خرید و فروخت کی حسب ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں

نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ کرنا:

اس سلسلہ میں علماء کے تین مذاہب ہیں:

۱- علماء کی ایک جماعت اس زیادتی کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ اس لئے کہ ادھار کی صورت میں ثمن کی زیادتی ”اجل“ (مدت) کے عوض میں ہے۔ اور جو ثمن ”اجل“ کے بدلہ میں ادا کیا جائے وہ سود ہے یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔ زین العابدین، علی بن الحسین، الناصر، المعصور باللہ، الہادیہ، الامام بیگی اور امام ابو بکر جصاص رازی حنفی کا یہی مسلک ہے۔

(نیل الاوطار للشوکانی ۱۷۳/۵ - احکام القرآن للجصاص ۱۸۷/۲)۔

۲- جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی جائز ہے، بشرطیکہ فریقین عقد بیع کے وقت ہی بیع مؤجل کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر اتفاق کر لیں، لیکن اگر بائع معاملہ کرتے وقت یہ کہے کہ میں یہ سامان نقد اتنے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار اتنے میں فروخت کرتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ایک قیمت پر اتفاق کئے بغیر دونوں فریق جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہوگی۔ اور ممانعت بیع کی علت اجل کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی نہیں بلکہ ثمن کی جہالت ہے۔ دیکھئے (اختلاف الفقہاء/ ۳۳، لابن جریر الطبری، الموسط للسرخسی ۲۸/۱۳، معالم السنن ۱۲۳/۳، سنن الترمذی تحقیق محمد فواد عبدالباقی ۵۲۲/۳، بذل المجمود ۱۳۵/۱۵، تحفۃ الفقہاء ۴/۲۶، الشرح الکبیر بہامش حاشیۃ الدسوقی علی الکبیر ۲/۵۸، المہذب ۱/۲۶۷، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ۳/۵۷، مطبوعۃ مصطفیٰ الحلبي، المجموع شرح المہذب ۳۷۵/۹، المغنی لابن قدامہ حنبلی ۲/۲۵۹، الفروع ۴/۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۰، مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۸ - ۱۳۶، اوجز المساک الی موطا الامام مالک للشیخ محمد زکریا ۱۱/۲۹۱)۔

اس سلسلہ میں جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ ہی کا مسلک کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور مقاصد شرع کی روشنی میں رائج ہے۔

۳۔ اس سلسلہ میں تیسری رائے یہ ہے کہ: ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی ناجائز و حرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ ہے، اور اس سے اجتناب اولیٰ ہے۔ معاصر علماء میں ڈاکٹر رفیق مصری کی رائے یہی ہے (مصرف التعمیر الاسلامی/ ۱۹۰-۱۸۹)۔

## ۲۔ ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی:

صحت بیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت دونوں فریق نقد یا ادھار میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیں، ادھار کی صورت میں فریقین کو اختیار حاصل ہوگا کہ اگر چاہیں تو ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت طے کر لیں یا قسطوں میں ادائیگی طے کر لیں، ہر دو صورت شرعاً جائز ہوگی، اگر بوقت معاملہ دونوں میں سے کسی ایک صورت کی تعیین نہیں کی گئی تو معاملہ درست نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ اگر فریقین نے معاملہ کے وقت ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی طے کی تو یہ بھی ضروری ہوگا کہ ہر قسط کی ادائیگی کی مدت متعین کر لی جائے مثلاً یہ کہ اس سامان کی قیمت ادھار کی صورت میں بارہ ہزار ہوگی، ہر ماہ ایک ہزار کی قسط کے حساب سے بارہ ماہ میں قیمت کی ادائیگی ہوگی، اس لئے کہ بیع بالتقسیم میں ”مدت“ کی حیثیت اساسی عنصر کی ہے، مدت کی جہالت سے بیع فاسد قرار پائے گی۔ مجلہ الاحکام العدلیہ میں ہے:

”یلزم ان یکون المدة معلومة فی البیع بالتقسیم والتاجیل“

(مجلہ الاحکام العدلیہ مادہ/ ۲۳۶) (بیع بالتقسیم والتاجیل میں مدت کا معلوم و

متعین ہونا ضروری ہے)۔

## ۳۔ ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کیلئے

صرف ادھار قیمت کا تذکرہ ضروری ہے؟

ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ طے کیا جائے۔ علت تحریم ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی نہیں ہے

رائیت الناس قد مالوا الی من عنده مال ۱۱ ومن لا عنده مال عنه الناس قد مالوا

بلکہ جہالتِ ثمن ہے اور ثمن کی جہالت صرف اسی صورت میں باقی رہتی ہے جبکہ فریقین نقد و ادھار میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق نہ کر لیں۔ اتفاق کی صورت میں جہالتِ دور ہو جاتی ہے، اس لئے عقد درست قرار پائے گا۔ (مبسوط نسخی ۱۳/۲۸، المقع ۲/۱۷)

۴۔ مدت کے عوض ثمن کی زیادتی ربا کے دائرہ میں نہیں آتی ہے:

ادھار فروختگی کی صورت میں نقد فروختگی کے مقابلہ میں ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی ربا کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، کیونکہ اس پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں بوقتِ معاملہ ہی باہمی رضامندی سے نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ طے کی جاتی ہے جسے یکمشت یا قسطوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا ہے کہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد ”مدت“ کے عوض زائد رقم وصول کی جاتی ہے، یہ صورت تو بالاتفاق ممنوع ہے۔ (تفسیر ابن جریر ۳/۱۰۱، تفسیر کبیر ۲/۲۵۱)۔

۵۔ ادھار فروختگی کی صورت میں ”مدت“ کے فرق سے ثمن میں زیادتی:

اگر خریدار کے سامنے دونوں صورتیں پیش کرنے کے بعد دونوں فریق نے کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیا تو معاملہ کی یہ شکل شرعاً جائز ہوگی، البتہ اگر فریقین نے دونوں میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق نہیں کیا اور دونوں جدا ہو گئے تو جہالتِ ثمن کی وجہ سے بیع فاسد قرار پائے گی۔

۶، ۷۔ قسط کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید رقم کا مطالبہ:

”بیع مؤجل“ کی صورت میں سامان کی حوالگی کے بعد خریدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ یکمشت یا قسطوں کی شکل میں قیمت کی ادائیگی جیسے طے پائی ہو، قیمت ادا کرے، اگر وہ قیمت ادا نہیں کرتا یا اس کی ادائیگی میں تاخیر اور مثالِ مثول سے کام لیتا ہے تو اس سے اضافی رقم کا مطالبہ چاہے بوقتِ معاملہ ہی اس کی شرط کیوں نہ لگادی گئی ہو جائز نہیں ہوگا، اضافی رقم سود ہوگی۔ (دیکھئے: تحریر الکلام فی مسائل الالتزام للخطابی/ ۶، ۷، نیز جلد فقہ اکیڈمی کے چھٹے سمینار منعقدہ ۱۷-۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۳-۲۰ مارچ کا وہ فیصلہ جو بیع بالتقسیت سے متعلق ہے) بائع کی طرف سے قیمت کی یکمشت ادائیگی یا کئی قسط کی ادائیگی میں تاخیر اور مثالِ مثول کرنے کی صورت میں خریدار یا تو:

(الف) مالدار ہوگا اور ثمن کی ادا نیگی پر اسے قدرت حاصل ہوگی، ایسی صورت میں اگر وہ ادا نیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اسے ثمن کی ادا نیگی پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس ثمن کی ادا نیگی کے لئے نقد ہی نہ ہو یا ثمن کی مالیت سے کم ہو تو ایسی صورت میں اسے خرید و فروخت اور اپنے مال و جائیداد میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ مقررہ قیمت ادا کر دے۔ اور اگر خریدار کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے ثمن کی ادا نیگی ہو سکے تو ایسی صورت میں بائع کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو معاملہ کو ختم کر دے اور اپنا سامان واپس لے لے اور اگر چاہے تو اس کے صاحب استطاعت ہونے تک صبر کرے۔

(ب) یا مفلس و تنگ دست ہوگا اور اپنی مفلسی کی وجہ سے وقت پر قیمت ادا نہیں کر رہا ہے تو اسے فراخی ہونے تک مہلت دی جائے گی۔ قرآن کریم میں ہے:

وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة (البقرہ ۲۸۰)۔

(اگر مدیون مفلس و تنگ دست ہو تو اس کو فراخی ہونے تک مہلت دو)۔

ایسی صورت میں دائن کیلئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے دین میں اضافہ کر دے۔ ایسی صورت میں اضافی رقم کے سود ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، امام قرطبی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

”وقال جماعة من اهل العلم: قوله تعالى (فنظرة الى ميسرة) عامة في جميع الناس فكل من اعسر انظر. وهذا قول ابي هريرة والحسن وعامة الفقهاء.“

وقال ابن عباس و شريح عباس و شريح ذلك في الربا خاصة فاما المديون و سائر المعاملات فليس فيها نظرة بل يردده الى اهلها اذ يجس فيه حتى يوفيه وهو قول ابراهيم (تفسير القرطبي ۳/۳۷۲-۳۷۱)

اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”فنظرة الى ميسرة“ تمام لوگوں کے بارے میں عام ہے جو شخص بھی تنگ دست ہو اسے مہلت دی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ، حسن اور عام فقہاء کی یہی رائے ہے۔ ابن عباس اور شریح کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم ربا کے ساتھ خاص ہے دیون اور دیگر معاملات میں مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ صاحب حق تک اس کا حق پہنچایا جائے گا یا اسے دین کی ادا نیگی تک کے لئے قید کر دیا جائے گا، امام ابراہیم کی یہی رائے ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ تاخیر اور نال منول کی صورت میں اضافی رقم کو مالی جرمانہ یا مالی تاوان کا عنوان دے کر جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ مدیون تنگ دست نہ ہو بلکہ اس کا اصل مقصد دین کی ادائیگی میں نال منول کرنا ہو۔ اس سلسلہ میں بعض علماء معاصرین کی رائے جواز کی ہے۔ ان حضرات نے سود اور مالی تاوان میں مختلف وجوہ سے فرق کیا ہے اور مالی معاوضہ کو ان حضرات نے صرف اس صورت میں مدیون پر لازم کیا ہے جبکہ وہ مالدار ہو، مدیون کے مفلس و تنگ دست ہونے کی صورت میں اس پر مالی معاوضہ لازم نہیں کیا گیا ہے مگر ان حضرات کی رائے سے اختلاف کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ (فقہی مقالات مولانا تقی عثمانی، ۱۳۱، ۱۳۲ تا ۱۳۳)۔

## ۸۔ مال مرہون سے انتفاع:

مال مرہون سے مرہن کے لئے انتفاع جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں حنفیہ کے حسب ذیل

اقوال ہیں:

۱۔ مرہن کے لئے مال مرہون سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں ہے چاہے یہ انتفاع رہائش کے ذریعہ ہو یا سواری یا کسی اور ذریعہ سے ہو، اور چاہے راہن نے مرہن کو انتفاع کی اجازت دے دی ہو۔ (رد المحتار ۵/۳۳۸)

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ راہن کی اجازت کی صورت میں مال مرہون سے مرہن کے لئے انتفاع جائز و درست ہے، صاحب الہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

ولیس للمرتهن ان ینتفع بالرهن لا بالاستخدام ولا سکنی ولا

لبس الا ان یاذن له المالك (ہدایہ ۳/۵۰۶)۔

(مالک کی اجازت کی صورت میں مرہن کے لئے مال مرہون سے انتفاع جائز

ہوگا) (نیز دیکھئے: عنایہ شرح ہدایہ اور مجمع الانہر ۲/۶۰۲)۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد مرہن کے لئے شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے۔ (قدیہ المنیہ/ ۳۶۲، الاشاہ والنظار ۲/۱۱۳)

۴۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ اگر رہن میں انتفاع کی شرط نہ ہو اور بدون شرط راہن (گروی رکھنے والا) مال مرہون سے مرہن کو بطیب خاطر انتفاع کی اجازت دے دے تو انتفاع درست ہوگا۔

(جامع الرموز للفتہستانی/ ۴۷۰، رد المحتار ۵/۳۳۸)۔

حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ میں چوتھے مسلک کو راجح قرار دیا ہے۔

فقہ مالکی میں یہ تفصیل ہے: اگر دین کے عوض رہن رکھا گیا تو چاہے عقد میں رہن سے مرتہن کے انتفاع کی شرط کیوں نہ لگادی گئی ہو انتفاع جائز نہیں ہوگا اور قرض کے علاوہ بیع وغیرہ کے رہن کی صورت میں انتفاع کی شرط لگانے کی صورت میں فائدہ اٹھانا درست ہوگا، فقہ مالکی کی معروف کتاب عقد الجواہر الثمینیۃ فی مذہب عالم المدینۃ میں ہے:

”ولو شرط مالا یقتضیہ مطلق العقد ولا ینا قضہ لکن یتعلق بہ  
غرض کقولہ بشرط ان ینتفع بہ المرتہن لم یصح فی القرض  
ویصح فی غیرہ اذا عین المنفعة وحدد زمنها کما فی الاجارة  
(عقد الجواہر الثمینیۃ فی مذہب عالم المدینۃ لابن شاش ۲/۵۸۳)۔

فقہ حنبلی میں راہن کی اجازت یا بوقت معاملہ شرط لگانے کی صورت میں مرتہن کے لئے مال مرہون سے حسب ذیل شرائط کے ساتھ فائدہ اٹھانا درست ہے۔

- ۱۔ مال مرہون دین کے عوض نہ رکھا گیا ہو۔
- ۲۔ انتفاع بالعوض کی اجازت دی گئی ہو۔ لہذا اگر راہن نے دین کی صورت میں مال مرہون سے بغیر عوض انتفاع کی اجازت دی ہو تو اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہے جو شرعاً حرام ہے ﴿ (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۳۲)۔

شافعیہ کے نزدیک مرتہن کے لئے مال میں صرف حق (استبراء) حاصل ہوتا ہے، شئی مرہون سے انتفاع یا اس میں کسی تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے۔ البتہ راہن کے لئے مال مرہون سے ہر وہ انتفاع جائز ہوگا جس سے مال مرہون کی قیمت میں نقص پیدا نہ ہو، جیسے سواری کرنا یا دودھ حاصل کرنا ﴿ (روضۃ الطالبین ۴/۷۹)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ اگر راہن میں انتفاع کی شرط لگائی گئی ہے تو انتفاع ناجائز اور حرام ہوگا اور اگر کسی بھی جہت سے مال مرہون سے انتفاع کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور پھر راہن بطیب خاطر اجازت دے دے تو انتفاع درست ہوگا۔

## مال مرہون کے ضیاع کی صورت میں تاوان کا حکم:

بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

(الف) مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ کس نوعیت کا ہوگا یہ قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان؟

(ب) مرتہن پر وجوب ضمان کی صورت کیا ہوگی؟

(ج) رہن کے استہلاک کی صورت میں تاوان کا حکم؟

## (الف) مال مرہون پر مرتہن کے قبضہ کی نوعیت:

مال مرہون پر مرتہن کے قبضہ کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان اس سلسلہ میں علماء کے دو اقوال ہیں:

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان ہے، حنفیہ کی یہی رائے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مال مرہون پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے قبضہ امانت ہے، مگر اس اعتبار سے کہ وہ دین کے عوض رکھا گیا ہے، اس لئے دین کی مالیت کے بقدر مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان ہے، مال مرہون کے ضیاع کی صورت میں اگر مال مرہون کی مالیت دین کے مساوی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ دائن نے اپنا حق وصول کر لیا، اور اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے زیادہ ہو تو ”زیادتی“، پر مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت قرار پائے گا اور اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے کم ہو تو مرتہن مال مرہون کی مالیت منہا کرنے کے بعد دین کا باقی حصہ راہن سے وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

فلو هلك في يده هلك في ضمان المرتهن لان يده في حق

المالية يد المرتهن وهي المضمونة (ہدایہ علی ہامش فتح القدر ۱۰/۱۹۳)۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے، لہذا اگر مال مرہون مرتہن کے پاس اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا، البتہ تعدی اور تقصیر کی صورت میں ضمان واجب ہوگا، شافعیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر مال مرہون ان اشیاء کے قبیل سے ہو جن کا اخفا ممکن ہے جیسے زیورات، کپڑے، کتابیں، ہتھیار وغیرہ تو ان کی ہلاکت کی

صورت میں اتسما نامرتہن کو ضمان قرار دیا جائے گا۔ (المہذب ۱/۳۱۶۔ مغنی المحتاج ج ۲/۱۳۶) علامہ ابن قدامہ حنفی نے عدم وجوب ضمان کے قول کو حضرت علیؓ، امام عطاء، زہری، اوزاعی، شافعی، ابو ثور اور ابن المنذر کی طرف منسوب کیا ہے، المعنی میں ہے:

واما ان تلف من غیر تعد منه ولا تفریط فلا ضمان علیہ وهو من مال الراهن یروی ذلك عن علیؓ و بہ قال عطاء والزہری والاوزاعی والشافعی وابو ثور وابن المنذر (المغنی لابن قدامہ ۲/۴۳۸)۔

### (ب) ضمان کی صورت کیا ہوگی؟

حنفیہ کے نزدیک شئی مرہون اپنی مالیت اور دین کی مالیت میں سے جس کی مالیت کم ہوگی اس کے عوض مضمون ہوگی، لہذا اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے کم ہو تو وہ مضمون بالقیمہ ہوگا اور اس کی مالیت کے بقدر راہن کے ذمہ سے دین ساقط ہو جائے گا اور باقی ماندہ دین راہن سے وصول کرے گا اور اگر دین اور مال مرہون کی مالیت مساوی ہو تو ایسی صورت میں مرتہن اپنے دین کو وصول کرنے والا قرار پائے گا اور اگر رہن کی مالیت دین کی مالیت سے زائد ہو تو زائد مالیت مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے حکم میں ہوگی اور اس کا ضمان صرف ایسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ مرتہن کی طرف سے تعدی یا اس کی حفاظت میں کوتاہی پائی جائے۔ (البدائع ۶/۱۶۰)۔

حنفیہ کے نزدیک وجوب ضمان کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

- ۱۔ شئی مرہون کی ہلاکت و ضیاع کے وقت دین باقی ہو اگر مال مرہون کی ہلاکت سے پہلے ہی دین معاف کرنے یا ادا کرنے کے ذریعہ ساقط ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں مرتہن پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۲۶۹)۔

### (ج) رہن کے استہلاک کی صورت میں تاوان کا حکم:

اس مسئلہ میں تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مال مرہون کو راہن نے ہلاک کر دیا یا اس کی طرف سے تعدی اور تفسیر پائی گئی تو اس پر ضمان واجب ہوگا اور مال مرہون کے ”ذوات القیم“ میں سے ہونے کی صورت میں اس کی قیمت اور ذوات الامثال کے قبیل سے ہونے کی صورت میں اس کا مثل

کل شیء یرجع الی اصلہ ..... ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش ..... باز جوید روزگار وصل خویش



واجب ہوگا۔ اور قیمت کی ادائیگی کی صورت میں قبضہ کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ مال مرہون قبضہ کے دن ہی سے اس کے ضمان میں آ گیا۔ البتہ بدون تعدی و وجوب تاوان ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ وجوب ضمان ہوگا، کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے، اگر مرتہن کو ضامن قرار نہیں دیا جائے تو لوگوں کی امانتیں اور اموال و حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

(د) مال مرہون سے ٹال مٹول کی صورت میں واجب الاداء قیمت کی وصولیابی:

خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور ٹال مٹول کرنے کی صورت میں بائع خریدار پر دباؤ ڈالے گا کہ وہ واجب الاداء قیمت ادا کر دے، اگر اس کے بعد وہ قیمت ادا نہ کرے تو بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا واجب الاداء دین وصول کرے، لیکن بوقت معاملہ سامان کی جو قیمت آپسی رضامندی سے طے ہوئی تھی اس سے زیادہ وصول کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اگر شئی مرہون کو فروخت کرنے کے بعد اتنی رقم وصول ہوئی ہو کہ بائع کے دین کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ رقم فاضل باقی رہ جائے تو وہ بچی ہوئی رقم خریدار کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔

۹۔ فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی غرض سے روکنا:

فروخت شدہ سامان کو بائع کے پاس ”رہن“ بنا کر دو صورتیں ہیں:

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار خریدے ہوئے سامان پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی بائع کے پاس سامان کو بطور رہن چھوڑ دے یہ صورت جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں خریدار کا بیع پر قبضہ نہیں ہوا ہے، اور قبضہ سے پہلے اسے ”رہن“ کی حیثیت دینا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ بائع حصول ثمن کے لئے ”بیع“ کو اپنے پاس روک لے اور حصول ثمن کے لئے بیع کا روکنا بیع مؤہل میں درست نہیں ہے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد خریدار ”بیع“ پر قبضہ کر لے اور پھر اسی سامان کو بطور رہن بائع کے پاس رکھ دے، یہ صورت فقہاء کے نزدیک درست ہے، علامہ علاء الدین حصکفی نے در مختار میں اس کے جواز کا تذکرہ کیا ہے۔ (در مختار علی ہامش الردۃ ۱/۶، رد المحتار ۱/۶، ۴۹۷)۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”الجامع الصغیر“ میں تحریر فرمایا ہے:

”ومن اشترى ثوبا بدرهم، فقال للبائع أمسك هذا الثوب حتى اعطيك الثمن فالثوب رهن (الجامع الصغیر)۔“

(اگر کسی نے درہم کے ذریعے کوئی کپڑا خریدا اور پھر خریدار نے بائع سے کہا کہ جب تک میں قیمت ادا نہ کر دوں اس وقت تک اسے اپنے ہی پاس روکو، اس صورت میں یہ کپڑا بائع کے پاس رہن سمجھا جائے گا)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کے بعد خریدے ہوئے سامان کو بطور رہن بائع کے پاس رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ صلہ عقد میں رہن کی شرط عائد نہیں کی گئی ہو، اور اگر صلہ عقد ہی میں رہن کی شرط لگا دی گئی ہو تو اس صورت کے جواز میں علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بعض علماء کا اختلاف نقل کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک صحیح اور قابل اعتماد رائے جواز ہی کی ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۴/۳۷۷)۔

(ب) ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو مجبوس کرنا:

بیع مؤجل میں ثمن کی وصولیابی کے لئے بائع کو یہ حق نہیں ہے کہ بیع کو اپنے پاس روک لے ”بیع مؤجل“ میں بیع خریدار کے حوالہ کرنا ضروری ہے۔ بیع بالتقصیط بیع مؤجل ہے، اس میں بائع کو ثمن کے استیفاء کے لئے جس بیع کا حق نہیں ہے صرف نقد بیع ہی بائع کو استیفاء ثمن کے لئے جس بیع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

قال اصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالا كذا في المحيط وان كان مؤجلا فليس للبائع ان يحبس المبيع قبل حلول الاجل وبعده كذا في المبسوط۔ (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳)۔

(ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نقد بیع میں ثمن کی وصولیابی کے لئے فروخت کنندہ کو جس بیع کا حق حاصل ہے۔ لیکن ادھار بیع میں بائع کو بیع روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ نہ ادا نگی کے وقت سے پہلے اور نہ ادا نگی کے وقت کے بعد)۔

## ۱۰۔ اقساط کی عدم ادائیگی کی صورت میں سامان کی ضبطی:

بعض اقساط کی ادائیگی کی صورت میں سامان کو بھی اپنے پاس رکھنا اور ادا کردہ اقساط کو بھی روک لیتا تابع کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

## ۱۱۔ خرید کردہ سامان کو خریدار کے پاس رہن رکھنا:

فقہی نقطہ نظر سے اس قسم کے رہن کے جواز میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں رہن کے بارے میں ”مقبوض“ کی شرط لگائی گئی ہے، قرآن کریم میں ہے: ”فرهن مقبوضه“ (سورہ بقرہ/۲۸۳)۔

امام حاکم نے کافی میں تحریر کیا ہے۔ ”لا يجوز الرهن غير مقبوض“ مختصر کفری میں ہے:

قال ابو حنیفہ و زفر و ابو یوسف و محمد الحسن بن زیاد: لا يجوز الرهن الا مقبوضا۔ (تکملہ فتح القدریہ/۱۰/۱۵۶)۔

جبکہ رہن کی مذکورہ صورت میں شئی مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ راہن ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، اس لئے اسے رہن قرار دینا درست نہیں ہے۔ البتہ فقہاء کی بعض عبارات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ ہو جانے کے بعد راہن عاریت کے طور پر اس سامان کو واپس لے لے۔ اس صورت میں راہن اس سے انتفاع کر سکتا ہے۔ اور رعایت کی وجہ سے رہن فاسد نہیں ہوگا۔ بلکہ مرتہن کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب چاہے مال مرہون کی واپسی کا راہن سے مطالبہ کرے۔ اگر وہ چیز راہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کی چیز ہلاک ہوگی، ایسی صورت میں مرتہن کو یہ بھی حق حاصل رہتا ہے کہ وہ دین کی ادائیگی کی مقررہ مدت گزرنے کے بعد اس سامان کو فروخت کر کے اپنا دین وصول کر لے۔ (ہدایہ علی ہامش تکملہ/۱۰/۲۰۲-۲۰۱)۔

مگر رہن کی مذکورہ صورت کو عاریت قرار دینا اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس صورت میں شئی مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں ہوتا ہے۔ اسے رہن قرار دینے کی ایک صورت یہ ہے کہ رہن میں قبضہ حسی کو ضروری قرار دیا جائے۔ بلکہ قبضہ معنوی ہی کو کافی سمجھا جائے، رہن پر مرتہن کے قبضہ کو شرط قرار دینے کی مست یہ ہے کہ مرتہن شئی مرہون کو دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں فروخت کر کے اپنا دین وصول کرے۔ رہن کی مذکورہ بالا صورت میں قانوناً ایگریمنٹ میں مذکورہ شرائط کی بنیاد پر مرتہن کو یہ حق حاصل

ہوتا ہے کہ وہ دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے فروخت کر کے اس سے اپنا دین وصول کر لے، مولانا تقی عثمانی کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے۔ (فقہی مقالات ۹۴-۹۵)۔

### ۱۲۔ کفالہ میں معاوضہ کا شرعی حکم:

عقد کفالہ کی صورت میں اجرت یا حق محنت کا مطالبہ اشخاص کی طرف سے ہو یا اداروں کی طرف سے درست نہیں ہوگا۔ البتہ لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کے کام میں بینک یا اداروں کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ عمیل سے جائز ہے۔ (فقہی مقالات ۹۸/۱)۔

### ۱۳۔ دستاویز کی خرید و فروخت:

غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید و فروخت کی مذکورہ صورت نا جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دستاویز کی بیع درحقیقت اس مالیت کی بیع ہے جو دستاویز میں تحریر شدہ ہے اور وہ دین ہے جس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کی جارہی ہے جس کے ذمہ دین نہیں ہے۔ جسے اصطلاح فقہ میں ”بیع الیدین من غیر علیہ الدین“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بیع درست نہیں ہے۔ یا اس صورت میں کرنسی کی بیع کرنسی سے لازم آتی ہے جس میں کمی و بیشی اور ادھار دونوں ممنوع ہے۔

مگر اس معاملہ میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے جواز کی راہ نکل سکتی ہے، جس کی صورت یہ ہے: سب سے پہلے دائن جو حامل دستاویز ہے وہ اپنی طرف سے بینک کو خریدار (دستاویز جاری کرنے والا) سے دین کی وصولیابی کا وکیل بنا دے اور اس وکالت پر یہ شخص بینک کو اپنی طرف سے کچھ اجرت بھی دے دے۔ اس کے بعد بائع جو حامل دستاویز ہے نیا معاملہ کر کے دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض حاصل کر لے اور اپنی طرف سے بینک کو اس کا اختیار دے دے کہ جب خریدار کی طرف سے دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو اس رقم سے وہ اپنا واجب الاداء قرض وصول کر لے، اس طرح سے یہ دو معاملات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور شرعی اعتبار سے دونوں معاملات جائز قرار پائیں گے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

بایں تاویل جائز ہے کہ اس وکیل سے اس نے قرض لیا پھر اس نے وصول

کر کے محسوب کر دیا۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۱۷)۔

۱۴۔ ادھار معاملہ میں طے شدہ رقم کو مقررہ مدت سے پہلے اس کے ایک حصہ کی معافی کی شرط پر وصول کرنا:

اس سلسلہ میں فقہاء کی دورائیں ہیں:

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ معاملہ کی یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ بائع اپنے دین کا کچھ حصہ چھوڑ دیتا ہے اور کچھ حصہ وصول کر لیتا ہے جس کا اسے حق ہے جیسا کہ نقد لین دین میں اسے کچھ حصہ چھوڑ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس، فقہاء تابعین میں سے امام ابراہیم نخعی، ائمہ احناف میں سے امام زفر بن الہذیل، اور شوافع میں سے ابو ثور اس معاملہ کے جواز کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ معاملہ کی یہ صورت ناجائز ہے۔ کیونکہ جس طرح دین مؤجل میں تاخیر کی صورت میں دائن کے لئے "اجل" (مدت) کے عوض اصل دین سے زائد رقم لینا حرام اور سود میں داخل ہے اسی طرح وقت مقررہ سے پہلے تجلیل کی صورت میں "اجل" (مدت) کے عوض مدیون کے لئے اپنے ذمہ واجب الادا دین کا کچھ حصہ لینا جائز نہیں ہوگا۔

صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور تابعین میں سے امام محمد بن سیرین، خواجہ حسن بصری، حضرت ابن المسیب، امام حکم بن عتبہ، امام شعبی عدم جواز کے قائل ہیں، ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۴/۸۷-۸۸)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں مسالک ائمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین مؤجل ہو، اب وہ شخص اپنے غریم سے مطالبہ کرے کہ مجھ سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو، بقیہ دین میں فوراً ادا کر دوں گا تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مقداد، حضرت سعید بن المسیب، امام سالم، حسن بصری، امام حماد، امام حکم، امام شافعی، امام مالک، امام ثوری، امام بیہم، ابن علیہ، امام اسحاق اور امام ابو حنیفہؒ نے اس معاملہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، حضرت مقدادؓ نے ایسے دو شخصوں کو جنہوں نے اس طرح معاملہ کیا تھا خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم دونوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا اعلان

اگر چہ تو بیکار پتھر مر مر ہے لیکن کسی صاحب دل کے پاس پینچے گا تو گوھر بن جائے گا

کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام نجفی اور امام ابو ثور سے یہی منقول ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں قرض خواہ اپنے حق کا کچھ حصہ وصول کر رہا ہے اور کچھ حصہ معاف کر رہا ہے، لہذا یہ صورت جائز ہے۔ جیسا کہ دین نقد میں یہ صورت درست ہوتی ہے۔

ہمارے نزدیک چونکہ مذکورہ صورت میں مدت کی بیخ ہو رہی ہے، اس لئے جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ اگر قرض خواہ دین میں اضافہ کرتے ہوئے مقرض سے کہے کہ تم میرا سود ہم کا قرض فوراً ادا کر دو، میں تمہیں دس درہم دوں گا۔ (ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہے) (المغنی لابن قدامہ) صاحب ہدایہ نے تحریر کیا ہے:

ولو كانت له الف مؤجلة فصالحه على خمسمائة حالة لم يجز۔  
(ہدایہ علی ہامش الفتاویٰ ۸/۳۳۸)۔

اگر کسی شخص کا دوسرے کے ذمہ ایک ہزار دین مؤجل ہو اور وہ دینوں سے نقدی پانچ سو پر مصالحت کرے تو جائز نہیں ہوگا۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

قال محمد: وبهذا ناخذ من وجب له دين على انسان الى اجل، فسأل ان يضع عنه ويعجل له ما بقى، لم ينبغ ذلك، لانه يعجل قليلا بكتير دينا، فكانه يبيع قليلا نقدا بكتير دينا وهو قول عمر بن الخطاب و زيد بن ثابت و عبد الله بن عمر وهو قول ابى حنيفة۔ (موطا امام محمد ۱/۳۳۲)۔

(امام محمدؓ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہمارا مسلک عدم جواز کا ہے اور ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ کسی مدت پر دین واجب ہو اور وہ اس سے کہے کہ وہ اس سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دے گا بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کرے تو یہ صورت جائز نہیں ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں وہ دین کثیر کے عوض میں دین قلیل کو فوری طلب کر رہا ہے گویا کہ وہ قلیل نقد کو کثیر دین کے عوض فروخت کر رہا ہے، یہی حضرت عمر بن الخطاب، زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے)

وقت محنت می بری ز اللہ بو      چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

مذکورہ بالا نصوص فقہیہ اور آثار صحابہ و تابعین کی وجہ سے مدت کے مقابلے میں دین کے کچھ حصے کو ساقط کرنے کی حرمت کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۱۵۔ فوری ادائیگی والے دیون میں دین کا ایک حصہ چھوڑ دینا:

بیع مؤجل میں قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت اور مدت کی تعیین ضروری ہے اگر مدت کی تعیین کے بغیر دونوں فریق جدا ہو جائیں تو معاملہ درست قرار نہیں پائے گا۔  
صاحب ہدایہ نے اس معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے:

ولا بد ان یکون الاجل معلوما لان الجهالة فيه مانعة من التسليم  
الواجب بالعقد فهد، يطالبه به في قريب المدة وهذا يسلمه في  
بعيدها۔ (ہدایہ علی ہاشم الفتح ۶/۲۳۳)۔

(اور مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ جہالت واجب بالعقد کی حوالگی کیلئے مانع ہوگی، اور دائن اس سے قریبی مدت میں ادائیگی کا مطالبہ کرے گا جبکہ مدیون اسے دیر اور تاخیر سے ادا کرے گا، لہذا یہ صورت جائز نہیں ہوگی)۔

مگر سوال ۱۴/۱ کی مناسبت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوال میں شاید تسامح ہوا ہے، سوال ۱۵ کا منشاء یہ ہو کہ فوری ادائیگی والے دیون میں دین کا ایک حصہ چھوڑنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اس صورت میں چونکہ "اجل" کے مقابلے میں دین کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا جاتا ہے لہذا ایسے نقدی دیون میں جن کی ادائیگی کے بارے میں معاملہ کے اندر کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی بلکہ مدیون دین کی ادائیگی میں کسی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے، ایسے دیون میں فوری ادائیگی کی شرط پر دین کے کچھ حصہ کو چھوڑنے پر صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس سے اس کے جواز کی صراحت ثابت ہے۔  
المدوۃ الکبریٰ میں ہے:

”قلت ارایت لو ان لی علی رجل مائة دينار و مائة درهم حالة  
فصالحتہ من ذلك علی مائة دينار و درهم نقدا قال: لا بأس  
بذلك“ (المدوۃ الکبریٰ ۱۱/۲۷)۔

المسوی علی المصفیٰ میں ہے:

اہل علم اس واقعہ اور ان آثار کے درمیان جو ”ضع و تعجل“ کے بارے میں منقول ہیں۔ اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ ان آثار کا تعلق ”دین مؤجل“ سے ہے اور یہ واقعہ ”دین حال“ سے متعلق ہے، اور کتاب الرحمہ میں ہے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر دین مؤجل واجب ہو تو دائن کے لئے مدت مقررہ کے آنے سے قبل یہ جائز نہیں ہے کہ دین کا کچھ حصہ معاف کر دے تاکہ دین کا بقیہ حصہ فوری طور پر وصول کر لے..... البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ جب دین کی ادائیگی کا وقت آ جائے اس وقت کچھ دین وصول کر لے اور بقیہ معاف کر دے۔ (المسوی علی المصنفی ۳۸۲/۲)

## ۱۶۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں مہلت کو ختم کرنا:

بیع بالتسیط کے ذیل میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر خریدار نے طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر کر دی تو کیا ایسی صورت میں بائع کے لئے مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا، اور فوری طور پر بقیہ تمام اقساط کی ادائیگی کا مطالبہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، واضح رہے کہ ”بیع بالتسیط“ کے بعض ایگریمنٹ میں اس امر کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اگر خریدار مقررہ وقت پر کوئی قسط ادا نہ کرے گا تو اس صورت میں آئندہ کی باقی اقساط کو بھی فوراً کرنا ضروری ہوگا، اور بائع کے لئے فی الحال تمام اقساط کا مطالبہ کرنا جائز ہوگا۔ اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ”بیع بالتسیط“ میں اس طرح کی شرط لگانا درست ہے؟

بائع کے لئے بیع بالتسیط میں اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے، اور خریدار کی طرف سے طے شدہ اقساط میں سے کسی قسط کی عدم ادائیگی یا اس میں تاخیر کی صورت بائع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ پہلے سے حاصل شدہ مہلت کو ختم کر دے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالمال حال وبصير المال

حالا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ۵۴/۳)۔

۱۷۔ کیا فریقین میں سے کسی ایک کی موت کی صورت میں اقساط کا معاملہ اپنی جگہ باقی رہے گا؟

بیع بالتسیط کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اقساط کی ادائیگی کی مقررہ وقت سے قبل ہی اگر

مالک الملک ست ہر کش سر ہند بے جہان خاک صد ملکش دہد



فریقین (دائن اور مدیون) میں سے کسی ایک فریق کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ معاملہ اب بھی اسی تفصیل اور مہلت کے ساتھ باقی رہے گا جو طے شدہ تھا یا معاملہ کی نوعیت میں فرق آجائے گا۔ یا تو:

(الف) دائن کا انتقال ہو جائے۔ دائن کے انتقال کی صورت میں معاملہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور دائن نے بوقت معاملہ قیمت کی ادائیگی کے لئے جو مہلت دی تھی وہ بدستور سابق باقی رہے گی۔ دائن کے ورثاء اپنے مورث کے قائم مقام قرار پائیں گے۔

ردالمحتار میں ہے: ”و یبطل الاجل بموت المديون لا للدائن“ (ردالمحتار ۵۳/۷)۔

(ب) مدیون کی موت ہو جائے۔ اس سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں۔

۱۔ مدیون کی موت کی صورت میں دین مؤجل فوری واجب الادا ہو جاتا ہے، حنفیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء مالکیہ کا یہی مسلک ہے، امام شعبی، امام نخعی، سوار، مالک، ثوری، امام ابو حنیفہ اور شافعی کا یہی قول ہے۔

امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔ مگر حنابلہ کا قول مختار یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق و تصدیق کر دیں تو ایسی صورت میں مدیون کی موت سے دین کی ادائیگی فوری واجب نہیں ہوگی، بلکہ حسب سابق دین مؤجل ہی رہے گا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مدیون کی موت کی صورت میں دین کی ادائیگی فوری طور پر واجب الادا نہیں ہوگی بلکہ دین مؤجل ہی رہے گا، اگرچہ مدیون کے ورثاء دین کی توثیق کر دیں، امام ابن سیرین، عبد اللہ بن الحسن، اسحاق، ابو سعید، طاؤس، ابو بکر بن محمد، امام زہری اور سعید بن ابراہیم کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۸۶)۔

مولانا تقی عثمانی نے حنابلہ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ یعنی مدیون کے ورثاء کی تصدیق و توثیق کی صورت میں دین مؤجل ہی رہے گا۔ یہی رائے مناسب اور شبہ بالفقہ معلوم ہوتی ہے۔

۱۸۔ اقساط کی پابندی کے ساتھ ادائیگی کی صورت میں انعام دینا:

اگر اقساط کی وقت مقررہ پر ادائیگی کی صورت میں بائع کی طرف سے خریدار کو انعام دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، انعام کی اضافی رقم کو ”اجل“ کے عوض قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

مصیبت کے وقت تو اللہ کا پتہ لگا لیتا ہے، جب وہ ختم ہوئی تو کہتا ہے راستہ کدھر ہے

## ۱۹۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی:

سامان میں مذکور صورت کو ”قمار“ کے دائرہ میں شامل کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورت میں ہر خریدار کو لازمی طور پر سامان مل جاتا ہے، البتہ کسی کو زیادہ قیمت پر، اور کسی کو کم قیمت پر، میرے نزدیک معاملہ کی یہ صورت دو وجہوں سے درست نہیں ہے۔

۱۔ یہ بیع بالتقسیط کی صورت ہے اور بیع بالتقسیط میں استیفاء ثمن کی خاطر بائع کو جس بیع کا حق نہیں رہتا ہے۔ بیع کی حوالگی ضروری ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی کی صورت میں سامان کی حوالگی بوقت معلوم نہیں ہوتی ہے بلکہ چند یا کل اقساط کی ادائیگی کے بعد قرعہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی ہوتی ہے، گویا بائع استیفاء ثمن کی خاطر اپنے پاس بیع کو روک لیتا ہے۔ لہذا یہ صورت درست نہیں ہوگی۔

۲۔ بیع مؤجل میں ضروری ہے کہ بوقت معاملہ یہ طے ہو جائے کہ سامان کی قیمت کیا ہوگی، اگر قیمت کی تعیین نہیں کی جائے تو جہالت ثمن کی وجہ سے عقد فاسد قرار پائے گا۔ مذکورہ صورت میں ثمن مجہول ہوتا ہے، بوقت معاملہ سامان کی ایک قیمت تو ضرور متعین ہو جاتی ہے، مگر اس کی ادائیگی ہر خریدار کے لئے لازم نہیں ہوتی ہے، بلکہ چند اقساط کی ادائیگی کے بعد جس خریدار کا بھی نام قرعہ اندازی کے ذریعہ نکل جاتا ہے اسے سامان ادا شدہ اقساط کے عوض دے دیا جاتا ہے، اس طرح سے ایک ہی سامان ایک شخص کے لئے مثلاً پانچ سو روپے میں پڑے گا۔ تو وہی سامان دوسرے کے لئے اس سے زیادہ اور تیسرے کے لئے اس سے بھی زیادہ قیمت میں پڑے گا۔ لہذا جہالت ثمن کی وجہ سے یہ معاملہ درست نہیں ہوگا۔

